تعزیہ داری کی مخالفت کا اصلی راز

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

چند سال سے مسلسل اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ حسینؑ مظلوم کی یادگار، جو عالم میں تعزیہ داری کے عنوان سے قائم کی جاتی ہے وہ مٹادی جائے، اوراس امر کے لئے ایڑی چوٹی کا زورصرف کیا جاتا ہے کہ اس امام مظلومؑ کے نام لیوا صفحۂ ارض پر باقی نہ رہیں۔

سالہائے گزشتہ میں ہم نے ''الواعظ'' اور ''سرفراز'' کے صفحات میں متعدد مقالے عزائے امام کی حمایت میں شایع کئے اوران میں ہم نے اس بات کو بھی واضح کردیا ہے کہ یہ کوشش بارآور نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ خدا نے اس غم کے باقی رکھنے کا خود سامان کیا ہے، اور گویا بیڑا اٹھایا ہے کہ آسمان کو سیاہ آندھیوں سے سیاہ پوش کرکے اور ستارہ ہائے فلکی کے ماتمی دستوں کو کربلا میں اتار کر اس ماتم کے تمہیدات پہلے سے قائم کردیئے گئے تھے، اور فلک کا دامن شفق سے ہمیشہ کے لئے لالہ زار بنا کر گویا اس غم کی بقاو پائنداری کا سامان کردیا ہے۔ ایسی صورت میں اس کے خلاف جو بھی کوشش ہوگی وہ مشیت الٰہی کے مخالف ہے لہٰذا نقش برآب ہونا اس کا لازمی ہے۔

اگرچہ مخالفین کی طرف سے اس عزاداری کی مخالفت کو طرح طرح کے رنگوں میں چھپانے کی کوشش کی گئی، کبھی اقتصادی نقطۂ نظر سے عزاداری کو مضر بتلایا گیا، چاہے اس کی مخالفت میں جتنی ناکام کوشش کی گئی ہے اوراس کے لئے جتنے دستے کاغذ سیاہ کرکے کتابت وطباعت کے بار کو برداشت کیا گیا ہے، اس کی اقتصادی حیثیت ایک تعزیہ رکھنے سے بہت زیادہ ہو۔

کبھی ان افعال کو بدعت بتلاتے ہوئے روکا گیا، اور بدعت کی ہَوا سے بے خبر و جاہل عوام کو مرعوب کیا گیا، حالانکہ بدعت ہر تازہ چیز کو کہتے ہیں، اوراس کا ناجائز ہونا لازم نہیں، بلکہ وہ کبھی واجب و مستحب بھی ہوتی ہے، جیسا کہ سابق مضامین میں ہم اس پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈال چکے ہیں۔

کبھی تعزیہ کو عنوان تصویر کے تحت میں حرام بتلایا گیا، حالانکہ غیر ذی روح کی تصویر باجماع امت جائز ہے۔ کبھی میت پر نوحہ وزاری کو ناجائز کہا گیا، اور رونے کو حرام بتلاتے ہوئے حدیث نبویؐ کو اپنی دلیل میں پیش کیا گیا کہ اِنَّ الْمَیِّتَ لِیُعَذِّبَ بِبُکَاءِ اَھْلِہٖ عَلَیْہِ میت پر اس کے اہل قرابت کے رونے سے عذاب ہوتا ہے، حالانکہ اس کے مخالف احادیث خود صحیح بخاری میں موجود ہیں، اور جناب عائشہ نے صاف فرمایا ہے کہ حضرت رسولؐ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ مومن پر اس کے اہل قرابت کے رونے سے عذاب ہوتا ہے، بلکہ ایک یہودیہ پر اس کے اعزا رو رہے تھے، تو حضرتؐ نے فرمایا کہ یہ لوگ رورہے ہیں، اوراس پر قبر میں عذاب ہورہا ہے، راوی صاحب کو اشتباہ ہوا اور انھوں نے اسے مومنین سے متعلق کردیا۔

یہ تمام بہانے عزاداری کی مخالفت کے ظاہری تھے، اور درحقیقت ان لوگوں کی کوشش فطرت کا مقابلہ تھی۔ وہ قومیں جو کسی دین و مذہب سے تعلق نہیں رکھتیں، اور وہ قومیں جو کسی نہ کسی مذہب کی دعوے دار ہیں، سب اس نقطۂ عمل پر متفق ہیں کہ اگر کوئی بزرگ قوم ان میں سے اٹھ جائے، یا کوئی بڑا واقعہ رونما ہو تو اس کی یادگار قائم کردی جائے، اور یہ فطرت انسانی کا فیصلہ ہے۔ خدا نے اسی اصول پر عمل کرتے ہوئے اہم واقعات کی یادگاریں

دنیا کے لئے چھوڑ دی ہیں۔ حضرت آدمؑ کا بہشت میں گندم تناول فرمانا، اور اس غذا کا تیس دن تک ان کے شکم میں رہنا، اس کی یادگار خداوند عالم نے ماہِ صیام کے روزوں سے قرار دی ہے کہ ہمیشہ اہل عالم اس کی تکلیف کو سَنہ کے اس واقعہ کو یاد کرلیا کریں، اور شیطانی حیلوں سے اپنے کو بچانے کی فکر کریں، اسی طرح قابیل کا ہابیل کو قتل کرنا، اس کی یادگار میں ایک حکم قیامت تک کے لئے مقرر کردیا گیا ہے، قرآن مجید میں قتل ہابیل کے واقعہ کے بعد ارشاد ہوا ہے **مِنْ أَجْلِ ذٰلِکَ کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْ إِسْرَائِیْلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْساً بِغَیْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِی الْأَرْضِ فَکَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا۔** (سورہ مائدہ، آیت ۳۲) اسی واقعہ کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل میں یہ بات مقرر کی کہ جو ایک نفس کو قتل کرے اس نے گویا تمام عالم کو قتل کیا، اور جو ایک نفس کو زندہ کرے، اس نے تمام عالم کو زندہ کردیا۔ اسی طرح حج کے بیشتر احکام کسی نہ کسی واقعہ کی یادگار ہیں، اور عیدالاضحیٰ کے دن قربانی کی شریعت بھی واقعۂ ذبحِ اسمٰعیلؑ سے تعلق رکھتی ہے۔

تمام مذاہب عالم کے ساتھ اہلِ اسلام نے بھی اس اصول فطرت کو نظرانداز نہیں کیا۔ ہجرت نبیؐ چونکہ ایک عظیم واقعہ تھا، لہٰذا مسلمانوں نے کہ جن میں بڑے بڑے صحابہ کبار موجود تھے اس کی یادگار سنہ ہجری کے عنوان سے قائم کی کہ اس کی وجہ سے ہمیشہ اس واقعہ کی یاد تازہ ہوتی رہے۔

کربلا کا واقعہ اگر حقیقت بیں نظر سے دیکھا جائے تو اپنی نوعیت میں تمام عالم کے واقعات سے امتیازی اہمیت رکھتا ہے، اور دنیا کا کوئی عظیم واقعہ اس اہمیت تک نہیں پہنچتا، یقینا وہ اس قابل ہے کہ اس کی یادگار عالم میں قائم کی جائے جس کی وجہ سے لوگ کبھی اس کو بھولنے نہ پائیں۔ وہی یادگار مسلمانوں کی متفقہ رائے نے عزاداری کے عنوان سے قائم کی ہے، اور اس کی مخالفت فطرت کی مخالفت ہے۔

اس فطری حکم کی مخالفت اگرچہ طرح طرح کے بارداعذار کے پردوں میں چھپائی گئی مگر

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من اندازِ قدت را می شناسم

نظر حقیقت جو اس کوشش کے اندر ایک عمیق راز کو سربستہ سمجھتی تھی، اور اب واقعات حجاز نے اس پردہ کو جو باطنی نیت پر پڑا تھا، اٹھا کر اصل مقصود کو بے نقاب کردیا ہے۔ وہی لوگ جو مخالفت تعزیہ داری کے قائد اعظم تھے، مسئلہ حجاز میں حمایت داران رسولؐ و اہلبیت رسولؐ کی مخالفت کے لئے میدان میں آئے، اور اپنے قلم سے حمایت ابن سعود کا حق ادا کرکے اس میدان کے شہسوار بنے۔

وہی محمد اسحٰق صاحب جو ظفر الملک کے لقب سے معروف ہیں تعزیہ داری کی مخالفت میں پیش پیش تھے اور ''سچ'' کے دروغ باف صفحات کو سال گزشتہ تک اس کے لئے وقف کئے ہوئے تھے اور مسئلہ حجاز میں وہی ظفر الملک صاحب ہیں، جنھوں نے حمایت ابن سعود میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا، اور اس طرح رسولؐ و اہلبیتؑ کی توہین میں شریک ہو کر **اُمَّةً سَمِعَتْ بِذٰلِکَ فَرَضِیَتْ بِهٖ** کے مصداق بنے۔ خدام الحرمین کی مخالفت اور اہل لکھنؤ کو شبہہ میں ڈالنے کے لئے میموریل ہال میں کئی مرتبہ جلسہ کا انعقاد بھی آپ ہی کی سعی بلیغ کا نتیجہ تھا۔ یہ اور بات ہے کہ حسرت دل کی دل ہی میں رہی اور اہل اسلام کی معاملہ فہمی اور حق شناسی نے اس کوشش کو بارآور نہ ہونے دیا اور جلسہ کو کامیابی کی صورت دیکھنا نصیب نہ ہوئی۔ اس ترتیب عمل سے حقیقت بےنقاب ہوگئی

معلوم ہوگیا کہ تعزیہ داری کی مخالفت درحقیقت مصائب حجاز کی تمہید تھی۔ تعزیہ روضۂ سید الشہداءؑ کی نقل ہے، جو لوگ انبیاء وائمہ و اہلبیت رسول علیہم السلام کے خود مشاہد کو قابل احترام نہیں سمجھتے، اور ان کے انہدام کو سن کر خوش ہوئے ہیں، بلکہ نعرۂ تحسین و آفریں سے دل بڑھاتے اور ہزار ہا صفحات اس کی تائید میں مثل اپنے نامۂ عمل کے سیاہ کرتے ہیں، ان سے کیا تعجب ہے کہ وہ تعزیہ کے مٹانے کے درپے ہوں اور اس پر عمل کریں، ایسے لوگوں کے دعوائے اسلام پر اسلام آٹھ آٹھ آنسو

روتا ہے

گر مسلمانی ہمین است کہ حافظ دارد
وائے گر در پس امروز بود فردای

اگر غائر نظر سے نکتہ رسی کی جائے تو معلوم ہوگا کہ تعزیہ کی مخالفت اس لئے تھی کہ مسلمانوں کے دل سے تعزیہ کی اہمیت کم کی جائے تاکہ اصل مشاہد کے وقار کو کوئی صدمہ پہنچایا جائے تو اس کی کوئی اہمیت نہ معلوم ہو۔

تعزیہ داری کی مخالفت ابن سعود کی خفیہ سازش، اور مصائب حجاز کا پیش خیمہ تھی، اور اس کے ذریعہ سے فضاء اسلام میں وہابیت کے وہ جراثیم پھیلائے جارہے تھے جو اسلامی عنصر کے لئے سخت ترین وبا کا حکم رکھتے ہیں۔ وہابیت کی خفیہ تبلیغ تھی جس سے بھولے بھالے مسلمان بے خبر تھے، وہ سمجھتے تھے کہ یہ بھی ہم میں کی ایک فرد ہیں، اور نیک نیتی سے اقتصادی و مذہبی مصالح پر نظر کر کے ہمیں نیک مشورے دے رہے ہیں، مگر باطل کا طلسم زیادہ دن تک پائدار نہیں رہتا اور غلط فہمی کا گھروندا ایک ہوائے حقیقت کے جھونکے سے تارِ عنکبوت کی طرح اڑ جاتا ہے۔ واقعات نے واضح کردیا کہ یہ لوگ مار آستین تھے اور حقیقت کے رنگ میں وہابی اصول کی تبلیغ کررہے تھے۔

خود مشاہد ائمہ معصومین علیہم السّلام کو متبرک و قابلِ تعظیم ماننے کے بعد، ان کی نقل فطرۃً قابل تعظیم ہوجاتی ہے جس طرح کعبہ ایک مخصوص گھر ہے، مگر ہزارہا فرسخ دور جو نقل اس کی مسجد کے عنوان سے بنائی جاتی ہے، وہ بھی خاص تعظیمی احکام رکھتی ہے، اس میں نہ کوئی بدعت محرمہ ہونے کا شائبہ ہے، اور نہ تصویر ہونے کی حیثیت سے حرمت کی کوئی وجہ ہے۔ شرعی رجحان ثابت ہوجانے کے بعد اقتصادی حیثیت سے اعتراض کی کوئی وجہ نہیں۔ اپنے ذاتی مشاغل اور فضول کاموں میں جو لوگ ہزاروں روپیہ صرف کرنا کوئی بات نہیں سمجھتے کسی کار خیر میں اگر کچھ روپیہ لگادیں تو اس میں کون سا اقتصادی ضرر ہے۔

مگر یہ تمام کوشش اس عقیدہ پر مبنی تھی کہ ان کے نزدیک مشاہد مشرفہ کی تعظیم کفر و شرک ہے، اور جو لوگ ان کی تعظیم و زیارت کرتے ہیں وہ واجب القتل اور مہدور الدم ہیں، جیسا کہ وہابی اصول کا مقتضا اور اس مذہب کا مخصوص طرۂ امتیاز ہے اور چونکہ نقل کا احترام اصل کی طرف راجع ہے، اس لئے وہی حکم تعزیہ پر بھی آئے گا، جو ان بدباطنوں کے نزدیک اصل تعظیم مشاہد کا ہے۔

عجیب حقیقت کا انکشاف

سید محمود شکری آلوسی بغدادی جو علمائے وہابیہ کی ایک مایۂ ناز فرد ہیں۔ ان کی کتاب ''تاریخ نجد'' جو ۱۳۴۳ھ میں مطبع سلفیہ مصر میں محمد بہجت اثری مشہور مورخ و عالم کی زیر نگرانی شایع ہوئی ہے، ہمارے پیش نظر ہے، اس میں وہابیوں کے عادات و اخلاق، رسم حکومت اور فوجی مردم شماری کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:-

وَالْكَثِيْرُ مِنْهُمْ فِيْ نَوَاحِي الْعِرَاقِ وَ مِنْهُمْ فِي الْكُوَيْتِ وَ مِنْهُمْ فِي الْهِنْدِ (ص ۹۷) یعنی بہت سے افراد اس فرقہ کے اطراف بصرہ میں ہیں اور بعض ان میں کے کویت میں اور کچھ حصہ اس فرقہ کا ہندوستان میں ہے۔

بھلا کون جانتا تھا کہ ہندوستان میں بھی وہابیوں کی جماعت موجود ہے، مگر صاحب اطلاع رازدان مورخ کی تحریر سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ہندوستان اس فرقہ کے افراد سے خالی نہیں۔ اس سے یقیناً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ جماعت جو ہمیشہ حنفیت سے برسرپیکار رہی، اور اپنی وہابیت کو اہل حدیث ہونے کے پردہ میں چھپائے رہی، وہ درحقیقت وہابی فرقہ کی ایک کڑی تھی جو ہندوستان میں ہمیشہ ریشہ دوانی کرتی رہی اور کبھی نواب صدیق حسن خاں قنوجی کی قیادت میں اسلامی اصول کو صدمہ پہنچایا، اور کبھی شیعہ و سنی کے لاحاصل نزاعات کو چھیڑ کر اسلامی شیرازہ کو برہم کیا، کبھی اہل حدیث جماعت کے نام سے مسلمانوں میں تفرقہ و اختلاف کے جراثیم پھیلائے۔

(بقیہ۔۔۔صفحہ ۱۶ پر)

جائے کہ نیم مردہ تن میں دوبارہ جان آ گئی۔ اور وہ مجبور جو سسک نہیں سکتا جس کی نبضیں بیٹھ چکیں تھیں اور نفس کی آمد و شد بند تھی۔ دوبارہ لباس پیری کی آستینوں کو الٹ کر دیر تک صرف ایک چھری سے دشمن کے چھکے چھڑا دیتا ہے۔ اور وفاداری، عشق، فضیلت، جذبۂ دین کا ایک بلند معیار قائم کر دیتا ہے جس کی تاریخ میں نظیر نہیں۔ اور آج صدیوں کے بعد بھی جس کی کوئی مثال پیدا نہیں ہوئی۔

یا میں اس واقعہ کو اس نقطۂ نظر سے دیکھوں کہ امامؑ نے اپنے اصحاب کے متعلق جو الفاظ فرمائے تھے 'بخدا مجھے علم نہیں کہ دنیا میں کسی کے اصحاب میرے اصحاب سے زیادہ باوفا اور ان سے بہتر ہوں، اور نہ مجھے کسی کے عزیز معلوم ہیں، جو میرے عزیزوں سے زیادہ حق شناش اور فرمانبردار ہوں' سوید کی دوبارہ شہادت نے ثابت کر دیا کہ اصحاب امام اس تحسین وثنا کے پوری طرح مستحق تھے۔

امامؑ نے یہ الفاظ کسی فوجی ہمت افزائی کے خیال سے نہیں کہے تھے، بلکہ یہ امام کا عقیدہ تھا اپنے پاکباز و بے نظیر ماموم کے متعلق۔ جناب سوید کے فعل نے امام کے ارشاد کے لئے ایک عملی ثبوت مہیا کر دیا جناب سویدؔ اپنی آنکھوں میں جو منظر لے کر جنت میں گئے اور اپنے حافظہ میں جو تصویر لے گئے وہ کربلا کا انتہائی دردناک واقعہ ہے۔ انصار و اعزاء امامؑ، بدر و حنین کے غازی، محراب و منبر کی رونق، دین خدا کے حافظ، بچے، جوان بوڑھے، نبیؐ کی تصویر، علیؑ کا مجسمہ، سب کے سب خاک و خون میں لتھڑے ہوئے بے جان پڑے ہوئے ہیں۔ خیموں میں آگ لگی ہوئی ہے۔ فتح و ظفر کے شادیانے بج رہے ہیں۔ اہل حرم **وا حسینا وا حسینا** کہہ کر امام کا ماتم کر رہے ہیں۔

یہ جان فرسا منظر جناب سویدؔ نے دیکھا۔ وہ اس کی تاب نہ لا سکے۔ اس ہولناک منظر نے ان کے جسم میں توانائی پیدا کر دی، اور وہ اس جوش و خروش سے حملہ آور ہوئے، گویا نہ وہ پیرانہ سال تھے، اور نہ ان کے جسم میں کوئی زخم لگا تھا۔ شمع امامت کا یہ آخری پروانہ تھا، جس نے شمعِ کشتہ پر اپنی جان فدا کر دی۔

(سلسلہ اشاعت امامیہ مشن، لکھنؤ نمبر ۲۸۲ محرم ۱۳۹۷ھ)

(بقیہ صفحہ ۱۰/ــــــــ تعزیہ داری کی مخالفت کا اصلی راز)

ــــــــــ ان کو اگر کسی نے وہابی کہہ دیا تو برافروختہ ہو جاتے ہیں مگر واقعیت یہی ہے ورنہ ہندوستان میں ان کے علاوہ وہابی جماعت ہم کو دکھلا دی جائے۔

مسلمانو! ہوشیار رہو

عرب کی مثل ہے: "اَلْکَبِیْرُ یَنْمِیْ عَنِ الصَّغِیْرِ" وَ قَدْ یَنْمِیْ عَنْ لَقَسَبِ اللُّبَانِ۔ ہمیشہ چھوٹی بات بڑی بات کا پیش خیمہ ہوا کرتی ہے۔

تعزیہ داری کی مخالفت اسی اصول پر مبنی ہے کہ تعزیہ جو نقل مشہد ہے اس کا وقار سبک ہونے کے بعد اصل مشاہد پر حملہ کی جرأت ہو سکے۔ واقعات کے تلخ تجربہ نے تم کو اس گروہ کے باطن پر آگاہ کر دیا ہے اور معلوم ہو گیا ہے کہ اس جبّہ و دستار کے اندر کیسے کیسے اسلام کے ہلاک کن زہر مضمر ہیں۔ معاملہ فہمی سے کام لو اور مسلمان صورت وہابی افراد کے دام تزویر میں نہ آؤ۔ رسولؐ کے پیارے نواسے حسینؑ نے اپنی جان اسلام پر نثار کر دی ہے۔ مسلمانوں کا سب سے بڑا فرض ہے کہ ان کی یادگار قائم رکھیں۔ اس میں خدا کی خوشی ہے، رسولؐ کی مرضی ہے، ایک مظلوم کی مواسات اور ہمدردی ہے، اسلام پر قربانی کی ایک عظیم تعلیم اور عالم کے بہترین ایثار کی ایک سچی تصویر ہے۔ مسلمان حسینؑ کے احسان مند ہیں، اور اس بار سے سر نہیں اٹھا سکتے۔

شاہ است حسینؑ و بادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ و دین پناہ است حسینؑ
سرداد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

یہ مقالہ مجلہ 'سرفراز' لکھنؤ محرم نمبر ۱۳۴۶ھ (۱۹۲۷ء) میں شائع ہونے کے بعد محرم ۱۳۸۳ھ (۱۹۶۳ء) میں امامیہ مشن لکھنؤ کے ذریعہ رسالہ کی صورت میں (سلسلہ نمبر ۳۸۲) طبع ہوا۔

✡✡✡